جکری.....اردو ادب کی قدیم صنفِ سخن

سبینہ اویس

Abstract:

''Jikri'',an ancient poetic genres has been considered the product of early age of"Gujjari Literature".This literary class became popular in Gujrat in the period of 15th and 16th century. Jikri literature has a deep solidrelationship with music. It not only presented passionate love but also described moral lessons in a very attractive way. This subtle poetic head attained an amazing popularity in a very short period of time. Many renowned poets like Sheikh Baha-Ud-Din Bajan, Sheikh Ali Jeogam Dhani, Qazi Mehmood Daryai and Khoob M. Chishti proudly made this genre as medium of presenting their thoughts. This article has focused on different factors involved in evolution, height and extinction of ''Jikai Literature''.

اردو زبان ادبی صورت میں صوبہ گجرات میں اُس وقت رونما ہوئی جب گجرات دہلی کے تابع تھا۔حملۂ تیمور کے وقت کچھ افراد ہجرت کر کے گجرات میں آ گئے مثلاً شیخ احمد کھٹو، شیخ برہان الدین قطب عالم اور مولانا خواجگی، وغیرہ وغیرہ۔ان میں مہاجر افراد کی بدولت گجرات میں اردو بولنے والے افراد کی تعداد میں اضافہ ہو گیا۔ یہ واقعہ بھی گجرات میں مختلف اصنافِ سخن کے ظہور اور اردو زبان کی ترقی کے لیے ایک زبردست محرک ثابت ہوا۔مسلمان جو مختلف مقاصد کے تحت گجرات میں آ کر آباد ہو گئے، دہلی کی زبان کو اپنے ساتھ لائیاور اردو پر بھی نظر ڈالتے رہے۔ گجرات کی زبان اگرچہ گجراتی تھی لیکن مسلمانوں نے من حیث القوم اردو کو اپنی زبان تسلیم کر لیا۔ گجرات میں اردو زبان نے اپنے قدم اس طرح جما لیے کہ چودھویں صدی عیسوی میں ہی ادبی روایت کی داغ بیل پڑ گئی۔ یہ عوام وخواص کی زبان بھی بن گئی اور صوفیہ کرام نے اسے اپنے جذبات کے اظہار کا ذریعہ بنایا یہاں تک کہ خانقاہوں اور درگاہوں میں قوالیاں بھی اسی زبان میں ہوتی تھیں۔زبان سارے ہندوستان میں پھیل کر اتنی عام ہو گئی کہ خیالات و احساسات کی کامیاب عکاسی کرنے لگی۔اس دور کے ادب پر دو رنگ غالب نظر آتے ہیں ایک پر ہندوی اسطورو اسلوب حاوی ہے اور دوسرے پر فارسی رنگ واسلوب کا غلبہ دِکھائی دیتا ہے۔اس دور کے ادب پر ان دو طرز احساس اور دو اسالیب کے مابین کشمکش کا احساس بھی ہوتا ہے۔

اردو شاعری کی قدیم صنف سخن ''جکری'' جو گجری ادب کی روایت کے اولین دور کی پیداوار ہے۔صنف نظم کی ایک تکنیک تھی، پندرھویں سولھویں صدی عیسویں میں مقبول ہوئی۔اس دور کے ادب پر ہندوی اثرات کے ساتھ ساتھ تصوف کا رنگ بھی نظر آتا ہے۔علاوہ ازیں موسیقی کا استعمال بھی ملتا ہے۔

جکری کی روایت زمان؟ قدیم سے ہے۔یہ موسیقی کے لیے مخصوص تھی اور اس کا انداز ہندوی تھا۔جکری مخصوص راگ کے مطابق ترتیب دی جاتی تھی اور صوفیانہ مسائل کو موسیقانہ انداز میں بیان کرنے کا نام جکری قرار پاتا ہے۔چودھویں، پندرھویں اور سولھویں صدی عیسوی میں ''تصوف'' شاعری کا خاص موضوع رہا۔گجرات میں تصوف نے انسانوں کے دلوں پر حکمرانی کی۔''تاریخِ ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستان و ہند'' میں لکھا ہے:

> ''یہاں اسلامی تصورات نے ہندوستانی اثرات سے مل کر ایسا روپ دھارا جس نے ایک طرف ان نومسلموں کو، جو قدیم ہندو روایت میں پلے بڑھے تھے، اپنائیت کا احساس دلایا تو دوسری طرف اسلامی عقیدے نے ان کی کایا بھی پلٹ دی۔اتنے گہرے ہندوستانی اثرات کے ساتھ تصوف کا یہ رنگ ہمیں کہیں اور نظر نہیں آتا۔اس دور کی اردو شاعری کا تعلق موسیقی سے گہرا اور براہِ راست ہے۔اردو شاعری گا کر سُننے سُنانے کے لیے مخصوص راگ راگنیوں کے مطابق لکھی جارہی ہے۔اس شاعری میں خدا اور اس کے نبی ﷺ کا ذکر بھی ہے اور کرشن اوتار کا بھی، وحدت الوجود اور تصوف کے دوسرے نکات بھی ہندی اساطیر کے ذریعے بیان کیے جارہے ہیں''۔1

ڈاکٹر جمیل جالبی جکری کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''جکری (ذکری) جو سازوں پر گائی جاتی تھی۔مناجات، حمد اور ذکرِ خدا کا ایک نیا مقبول طریقہ قرار پاتی ہے''۔2

اس دور کی اصنافِ سخن میں جکری، اور دوہڑے سب سے مقبول صنف شاعری ہیں۔ہیئت کے لحاظ سے جکری، بھجن اور گیت ہی کی ایک صورت تھی۔اس کا تعلق موسیقی، گیت، راگ، ساز اور گانے بجانے سے تھا۔اس میں عشق و محبت کے ساتھ ساتھ ناصحانہ مضامین بھی دِلکش انداز میں بیان کیے جاتے تھے۔ اس حوالے سے ''تاریخِ ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستانِ و ہند'' میں درج ہے:

> ''جکری 'ذکری' کا گجری روپ ہے جکریوں میں ذکرِ خدا، ذکرِ رسول ﷺ، ذکرِ پیر و مرشد، ذکر تحرباتِ باطنی وارداتِ روحانی کو ایسے ہندی اوزان و بحور اور عام فہم الفاظ میں پیش کیا جاتا ہے کہ ایسے انھیں گایا بھی جاسکے اور ہندوستانی سازوں پر بجایا بھی جاسکے۔اس میں عشق و محبت کے جذبات کا بھی اظہار کیا جاتا تھا اور ساتھ ساتھ ایسے ناصحانہ مضامین کا بھی جن سے مریدوں اور

طالب علموں کو ہدایت ہو سکے''۔3

کوئی بھی صنف جب کسی دور میں ترقی کرتی ہے تو اس کے پس منظر میں وہ مخصوص حالات وواقعات ہوتے ہیں جو اُس صنف کو بامِ عروج تک پہنچاتے ہیں۔اسی تناظر میں جب ہم ''جکری'' کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پس منظر میں بھی گجری دور کے وہ مخصوص حالات وواقعات تھے جنھوں نے اس انمول صنفِ سخن کو نہ صرف فروغ دیا بلکہ اردو ادب کی تاریخ میں بھی ہمیشہ کے لیے امر کر دیا۔ چوں کہ اس صنف سخن پر ہندوی روایت کا غلبہ رہے اس کے متعلق ڈاکٹر تبسم کاشمیری لکھتے ہیں:

> ''جس دور میں ''جکریاں'' لکھی گئی وہ ہندوی روایت کے غلبے کا دور ہے۔اس میں نہ صرف اسلوبِ بیان بلکہ روایت بھی ہندوی ہے۔ خدا، رسول ﷺ اور اولیاء بزرگ سب کے سب ہندوی ملبوس میں نظر آتے ہیں۔جکری کی چشم بصیرت خالصتاً مقامی ہے۔اس صوفیانہ واردات کے سارے مراحل ہندوی لباس میں طے ہوتے ہیں اور اس سے بڑھ کر جکری کسی نہ کسی خاص راگ میں لکھی جاتی ہے۔یعنی اس کا آہنگ بھی خاص ہندوی رنگ سے عبارت ہے''۔4

چوں کہ ''جکری'' کا تعلق گیت سے ہے عام طور پر جب گیت یا بھجن کی بات کی جائے تو ہمارے ذہنوں میں ہندی روایات آتی ہیں۔اگر چہ اردو شاعری پر سب سے پہلا اور گہرا اثر ہندوی روایات اور اساطیر کا ہے اور اردو زبان وادب پر چھٹی صدی ہجری سے لے کر دسویں صدی ہجری تک ہندوی روایت ہی کی حکمرانی رہی۔ چوں کہ جکری کی مقبولیت بھی دسویں صدی ہجری میں ہوتی ہے لہٰذا اس صنف سخن پر ہندوی روایت کا جو گہرا غلبہ نظر آتا ہے اُس کی وجہ گجرات میں پہنچنے والے وہ مخصوص حالات وواقعات تھے علاوہ ازیں اس دور کی گجری اردو شاعری کی بحریں،اوزان اور اصناف بھی ہندوی ہیں۔ گجری اردو شاعری کو دیکھ کر یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہاں ایک نیا مذہب ایک الگ روپ میں سامنے آ رہا ہے اور ایک ایسا ڈھانچہ تیار ہو رہا ہے جس میں نومسلم کشش اور دلکشی محسوس کر سکیں۔اس میں نئے عقیدے کی چھوٹ بھی ہے اور قدیم ہندو روایت کی واضح جھلک بھی۔ گجری شاعری کی انمول صنفِ سخن جکری بھی انہی اثرات سے مل کر بنتی اور نشوونما پاتی ہے۔''تاریخِ ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستان و ہند'' میں لکھا ہے:

> ''گجری شاعری کو دیکھ کر یہ ضرور کیا جا سکتا ہے کہ یہاں ایک نیا مذہب نئے روپ میں ڈھل رہا ہے اور ایک ایسا ڈھانچہ تیار ہو رہا ہے جس میں نومسلم عوام کشش اور جاذبیت محسوس کر سکیں۔اس شاعری میں نئے عقیدے کی مرکزیت بھی ہے اور ہندی اسطوری روایت کی واضح جھلک بھی''۔5

جکری کے اہم شعراء میں شیخ بہاء الدین باجن، شیخ علی محمود جیو گام دھنی، قاضی محمود دریائی، خوب محمد چشتی کے نام شامل ہیں۔ یہ گجری ادب کے وہ ستون ہیں جنھوں نے گجری کو ادبی صورت دی۔انھوں نے دیگر اصنافِ سخن

کی مانند جکری میں بھی طبع آزمائی کی ان میں شیخ بہاء الدین باجن وہ شخص ہیں جنھوں نے اپنے کلام کو جکریوں کی صورت میں اتنا مقبول بنا دیا کہ یہ موسیقانہ شاعری کا کام رنگ بن کر سارے ہندوستان میں پھیل گیا۔ باجن نویں صدی ہجری کے منتصف دوم سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا نام بہاء الدین بن معزالدین اور تخلص باجن تھا۔ باجن کے معنی ہندی میں ''ساز'' موسیقی یا باجا کے ہیں۔ یہ ہندی اور فارسی زبان میں شاعری کرتے تھے۔ قدیم اردو میں شیخ باجن غیر معمولی اہمیت کے حامل رہے ہیں۔ یہ ہندی نغمے اور موسیقی کے لیے بھی مشہور ہیں۔ حافظ محمود شیرازی لکھتے ہیں:

''.....وہ ہندی میں سوچتے اور بولتے ہیں اور اسی لیے ان کی تحریر میں ہندی محاورات اور اسلوب کا پرتو ہے''۔6

شیخ باجن نے تصوف کے رنگ کو موسیقی کے رنگ میں سمو کر ایک دلکش اور خوب صورت امتزاج پیش کیا جو اپنی مثال آپ ہے۔ انھوں نے گہرے صوفیانہ مسائل کو موسیقی کے رنگ و آہنگ سے سجا کر جکریوں کی صورت میں پیش کیا۔ عصرِ حاضر میں بھی جب ان کے کلام کا جائزہ لیا جائے تو سوز و ساز کی ایک انوکھی کیفیت نظر آتی ہے۔ ''خزائن رحمت اللہ'' کے نام سے شیخ باجن کی ایک تصنیف یادگار ہے جس میں ان کے پیر و مرشد شیخ رحمت اللہ کے ملفوظات و اقوال جمع کیے ہیں۔ اگرچہ یہ کتاب فارسی میں ہے لیکن باجن نے اکثر جگہوں پر اردو اشعار بھی دیے ہیں۔ پیشِ نظر کتاب میں ایک باب ہے جسے ''خزینہ ہفتم'' کا عنوان دیا گیا ہے جس میں شیخ باجن نے اپنے اشعار جکریاں اور دوہے بھی درج کیے ہیں۔ ان اشعار کی زبان پندرھویں صدی عیسوی کی زبان ہے اس میں اسلامی روح اور ہندی اثرات مل جل کر ایک ایسی صورت اختیار کرتے ہیں جو اردو شاعری کی روایت کی پہلی کڑی ہے۔ ''خزینہ ہفتم'' میں باجن نے جکریوں کی تعریف بھی کی ہے اور اس کے مقصد و ماہیت پر بھی روشنی ڈالی ہے:

''در ذکر اشعار کہ مقولہ ایں فقیر است بزبانِ ہندی جکری خوانند و قوالانِ ہند آنرا در پردہ ہائے سرودی نوازندومی سرایند۔ بعضے در مدح پیر دستگیر و وصف روض؟ ایشانو وصف وطن خود کہ گجرات است و بعضے در ذکر مقصد خود و مقصودات مریدان و طالبان و بعضے در ذکر عشق و محبت''۔7

باجن کے کلام میں جکری کی ہئیت کی تفصیل ڈاکٹر جمیل جالبی اس طرح دیتے ہیں:

''کہ ابتدائی اشعار جو ہم قافیہ ہوتے ہیں، عقدہ کہلاتے ہیں۔ اس کے بعد تین تین چار چار مصرعوں کے بند آتے ہیں جنھیں پین کہا جاتا ہے۔ آخری بند جو عام طور پر تین مصرعوں پر مشتمل ہوتا ہے، تخلص کہلاتا ہے۔ پہلے دو مصرعے ہم قافیہ اور تیسرا الگ لیکن ہم وزن ہوتا ہے۔ ہر گیت سے پہلے یہ واضح کر دیا جاتا ہے کہ اسے کس راگ کے مطابق لکھا گیا ہے''۔8

جکری کا تعلق اگرچہ راگ اور گیت سے ہے لہٰذا عقدہ کو مرتب کرتے وقت اس امر کا خصوصی دھیان رکھا

جاتا کہ اسے کس راگ کے مطابق ترتیب دیا جائے۔

اللہ بیتیں جے کوئی ہوئے
من مراد گھر بیٹھے پاوے اللہ اور جگ اس کا ہوئے
اس کو مار نہ سکسے کوئے
کوئی اللہ سیتیں کسے سہتیں باجن درویش پر سناوے
اللہ ہوں کو چہ سہتیں بیٹی بہکیا وے9

یہاں بھی فکر و احساس پر ہندی روایت کا اثر ہے۔ یہ زبان و بیان اور دلکش انداز باجن کے کلام کا خاصہ ہے۔ اس میں لفظوں کی ترتیب اور وزن سے پیدا ہونے والی موسیقی کی جھنکار بھی ہندوی ہے۔ ایسا اس وجہ سے ہے کہ باجن نے جس معاشرے میں تخلیقی سفر شروع کیا اس دور میں اردو ادب کا مزاج ہندی کے زیر اثر تھا لہٰذا باجن نے اپنے کلام کو ہندی گیت کے رنگ میں ڈھالا اور ان کا یہ انداز غیر فطری عمل نہیں تھا۔ باجن کیکلام کا یہ انداز جو بار بار ہمیں تصوف کے مضامین کو موسیقانہ رنگ میں رنگنے کی تکنیک کی طرف لے جاتا ہے۔ یہی تکنیک جکری ہے اور یہی اس کا اندازِ سخن ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

''شیخ باجن جکری کو اپنے اظہار کا ذریعہ بناتے اور اسے آگے بڑھاتے ہیں''۔10

گجرات میں شاعری اور موسیقی کا گہرا تعلق تھا اور باجن کا سارا کلام گانے بجانے کے لیے مخصوص ہے اور مخصوص سروں اور راگ راگنیوں کے مطابق ترتیب دیا گیا ہے۔ ان ہندی راگ راگنیوں کی وجہ سے اوزان و بحور سب ہندوستانی ہیں۔ ان کے کلام پر فارسی کا لکل اثر نہیں ہے۔ باجن نے اپنی زبان کو کہیں ''ہندوی'' کہا ہیاور کہیں ''زبانِ دہلوی'' اور اس کے تحت جو گیت لکھے وہ قدیم اردو کے نمونے ہیں۔ زبانِ دہلوی اور زبانِ ہندوی دونوں ایک ہی زبان کے دو نام تھے۔ زبانِ دہلوی اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ زبان دہلی سے گجرات آئی۔ باجن کی زبان کی روایت اور اس کے رمز و کنایہ سب ہندوی ہیں اور لفظوں کی ترتیب اور وزن سے پیدا ہونے والی آواز بھی ہندوی ہی ہیں۔

باجن جیو جیوے تجھ ناؤں بھر پور رہیا توں سب کے ٹھاؤں
تجھ ناؤں کی مَیں ہوئی واری جاؤں 11

باجن کے کلام میں ہندوی روح تصوف کے ساتھ موجود ہے اور یہی وہ رنگ ہے جس کی نکھری ہوئی صورت گرونانک کے کلام میں نظر آتی ہے یہاں اسلامی تصوف کی روح ہندوی رمز و کنایہ کے ذریعے موجودہ ہے۔ باجن کے کلام کی فکر و احساس پر ہندی روایت کا گہرا اثر ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

''باجن کا کلام پڑھتے ہوئے بار بار ذہن کبیر اور گرو گرنتھ صاحب کی طرف جاتا ہے اور اس طرزِ

احساس کو اُبھارتا ہے جو ان ہستیوں سے مخصوص ہے لیکن ان سے بہت پہلے شیخ باجن نے جکریوں کی شکل میں اسے اتنا مقبول بنا دیا تھا کہ یہ موسیقانہ شاعری کا عام رنگ بن کر سارے برعظیم میں پھیل گیا تھا.....

اپنے زمانے کا یہ ایسا جدید رنگِ سخن تھا کہ آنے والی نسلوں نے اسے قبول کر کے اپنے فکر و احساس کے اظہار کا ذریعہ بنایا''۔12

ڈاکٹر جمیل جالبی باجن کے کلام کے متعلق لکھتے ہیں:

''موسیقی کی یہ دو روح ،لفظوں کی یہ حلاوت، جذبے کی یہ حرارت جو باجن کے کلام میں رس گھولتی ہے آج بھی ہمیں اس لیے متاثر کرتی ہے کہ یہ موسیقی آج بھی زندہ ہے۔شیخ باجن کا کلام گانے بجانے کے لیے مخصوص سُروں کے مطابق ترتیب دیا گیا ہے۔اس میں ہند اسلامی تصوف کا مزاج سرایت کیے ہوئے ہے جو ہندو اور مسلمان دونوں کو متاثر کرتا ہے باجن کے کلام میں مزاج کی ٹھنڈک اور نرمی، فقیرانہ صدا کا لوچ اور لہجے کی مٹھاس ہمیں آج بھی بھلی لگتی ہے''۔13

شیخ باجن کے کلام میں اوزان بھی ہندی میں ہیں فارسی اور عربی لفظوں کو بھی اس مزاج میں ڈھالا گیا ہے۔ان کے کلام میں ایک حد تک مسلمانی جذبات و خیالات بھی موجود ہیں۔اور عربی و فارسی الفاظ کا عنصر بھی موجود ہے مثلاً:

باجن جو کسی کے عیب ڈھانکے
اس سے درجن تھر تھر کانپے 14

ایک جگہ لکھتے ہیں:

روزے دھر دھر نماز گزاری دِینی فرض زکوٰۃ
بن فضل تیرے چُھوٹک ناہیں آ گیں بکھمن بات15

روزے دھرنا اور نماز گزارنا فارسی روزہ داشتن اور نماز گزاردن کا ترجمہ ہے۔

شیخ باجن نے اپنے گیت، نظم یا جکری کو ''عُقدہ'' کا نام دیا ہے۔ ہر بند کو ''پین'' کہا ہے اور آخری بند کو ''تخلص'' کا نام دیا ہے۔انھوں نے تصوف کو رموز و شاعری کے پیرائے میں طالب علموں کی ہدایت کے لیے بیان کیا مختصر نظمیں بھی لکھیں جن میں کسی مذہبی، اخلاقی یا روحانی نکتے کو مریدوں اور طالب علموں کی ہدایت کیلیے بیان کیا جاتا ہے۔ یہ نظمیں عموماً گیت اور بھجنوں کی ہی نئی صورت ہیں۔

شیخ باجن کے کلام سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے کلام کو گانے بجانے کے لیے لکھنا تھا۔شاید اس

لیے انھوں نے ''جکری'' کا انتخاب کیا کیوں کہ اس میں صنفِ سخن کو استعمال میں لا کر ہی وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتے تھے۔ڈاکٹر جمیل جالبی اس امر کی تائید میں لکھتے ہیں:

''شیخ باجن 'جکری' کو اپنے اظہار کا ذریعہ بناتے اور اسے آگے بڑھاتے ہیں''۔16

باجن علم موسیقی میں بحر بیکراں تھے۔کتاب چشتیہ میں لکھا ہے کہ انھوں نے جکری، خیال، قول وترانہ، ساورہ، دھرپد وغیرہ میں اشکار لکھے۔یوں توں انھوں نے ہندی، فارسی اور پنجابی تینوں زبانوں میں اشعار لکھے لیکن ہندوی میں اکثر لکھتے تھے۔گانے کے لیے لکھنے کے باعث برج بھاشا کا اثر گہرا ہے۔ان کے اکثر اشعار ضرب المثل کا درجہ رکھتے ہیں مثلاً:

ان نینن کا یہی بسیکھ
ہَوں بیتجھ دیکھوں توں منجھ ویکھ 17

گجری ادب کی روایت کے اولین دور میں گجرات میں نظم کی تکنیک ''جکری'' کے دوسرے ممتاز نمائندے قاضی محمود دریائی ہیں۔انھوں نے جکری کو اپنے اظہار کا ذریعہ بنایا اور اسے آگے بڑھایا ہے۔قاضی محمود دریائی گجرات کے خواجہ خضر کہلاتے ہیں۔حافظ محمود شرانی ''مقاماتِ شیرانی'' میں لکھتے ہیں:

''قاضی صاحب گجرات کیمشاہیر صوفیہ میں سے ہیں۔ہندی شعر گوئی میں ان کی شہرت نہ صرف گجرات تک محدود رہی ہے بلکہ ہندوستان میں بھی پھیل چکی ہے۔ایک خاص طرز کی نظم کے سلسلے میں جس کو ''جکری'' کہا جاتا تھا، ان کا نام خصوصیت سے زبان زد عام ہے۔''جکری'' مجالس حال وقال وعرس میں قوال پڑھا کرتے۔ایک زمانے میں قاضی صاحب کی جکریوں تمام گجرات میں مقبول تھیں''۔18

قاضی محمود دریائی کی جکریاں اس دور کے قوالوں میں بہت مقبول تھیں۔ان کی تاثیر سے محفلوں میں جذب ومستی کی کیفیات طاری ہوتی تھیں اور خاص وعام انھیں بہت پسند کرتے تھے۔ڈاکٹر تبسم کاشمیری لکھتے ہیں:

''قاضی محمود دریائی کی شہرت کا ایک بڑا سبب ان کی لکھی ہوئی ''جکریاں'' تھیں جن کے حوالے صوفیہ کے تذکروں میں موجود ہیں''۔19

قاضی محمود دریائی کے کلام کا لب ولہجہ، طرزِ احساس، اسلوب ان کو جکری کے ساتھ ساتھ اُس دور کی مقبول روایت سے منسلک کرتا ہے مثلاً لکھتے ہیں۔

نہ دوکھی جگ کوئنہیں دُکھ بھریا ہے سب کوئی رے
کوما بھلا مرم نہ بوجھے بات دل کسے نہ سوجھے

دکھ جیو کا میرا کس کہوں
یوں مجھ پوچھیں سہیلیلین ہاں تجھ تن لوھونہ ماس
جہاں جہاں میں گنے میرے سائن کارن اپواس
میرے بھیتر دعو جلے میری سائن 20

قاضی صاحب نے اپنی جکریوں میں جس موضوع کو وسیع تر پیمانے میں استعمال کیا وہ ''عشق'' ہے۔ انھوں نے اس صنفِ سخن کو عشق کے زیور سے آراستہ کر کے ہزار داستانیں بیان کی ہیں۔ان کی کلام پر عشقیہ کیفیات کا اثر بہت گہرا ہے اور سارا کلام عشق و محبت کی سرمستی میں ڈوبا ہوا ہے۔اس عشق کا اظہار اللہ اور رسول؟ اور اپنیمر شد کے ساتھ بھی ہے اور دین و دنیا کے دیگر امور بھی اس کے گرد گردش کرتے ہیں۔یعنی ان کی شاعری عشقِ حقیقی اور عشقِ مجازی کی عکاس ہے۔ان کا بیش تر کلام بھی گانے کے لیے لکھا گیا۔انھوں نے اپنے کلام کو مختلف راگ راگنیوں اور سُروں کے مطابق ترتیب دیا اور انہی راگ راگنیوں کے مخصوص ناموں سے منسوب کیا مثلاً دیوان میں جو عنوانات ملتے ہیں ان میں جکری در مارو جکری در پردہ، در ملہار، توحید، ترک غرور، عداوت وغیرہ ہیں۔ڈاکٹر تبسم کاشمیری ''اردو ادب کی تاریخ'' میں لکھتے ہیں:

''جس دور میں جکریاں لکھی گئیں وہ ہندوی روایت کے غلبے کا دور ہے۔اُس میں نہ صرف اسلوبِ بیان بلکہ روایت بھی ہندوی ہے۔خدا، رسول؟، بزرگ اولیا سب کے سب ہندوی ملبوس میں نظر آتے ہیں۔جکری کی چشم بصیرت خالصتاً مقامی ہے۔اس صوفیانہ واردات کے سارے مراحل ہندوی لباس ہی میں طے ہوتے ہیں اور اس سے بھی بڑھ کر ''جکری'' کسی نہ کسی خاص راگ میں لکھی جاتی ہے یعنی اس کا آہنگ بھی ہندوی سے عبارت ہے''۔21

قاضی محمود دریائی کے کلام پر ہندوستانی دیومالا کے اثرات بھی نظر آتے ہیں۔ان کی شاعری پر مقامی روایت غالب ہے اور وہ صیغ؟ تانثت میں بات کرتے ہیں۔انھوں نے جکری کو اپنا کر نت نئے تجربات کیے اور موسیقی کو مزید تقویت دی۔ان کا دیوان جکری کا بہترین عکاس ہے۔پورے دیوان کیمزاج پر، اسلوب پر، آہنگ، ترنم، اوزان و بحور، اصناف پر ہندی مزاج کی گہرائی چھاپ ہے۔قاضی محمود دریائی کو اس سلسلے میں اس قدر شہرت حاصل ہے کہ گجرات کے علاوہ ہندستان کے دیگر صوبوں میں بھی مقبول و معروف ہیں۔مخدوم بہاء الدین ثانی برناوی اپنی کتاب چشتیہ میں لکھتے ہیں:

''کلام مقبول او بمثل جکری قاضی محمود دھرکہ می شنود برہمت اور آفرین می شود''۔22

پندرھویں اور سولھویں صدی عیسوی کی اس ادبی روایت کے تیسرے نمائندہ شاعر شاہ علی جیو گام دھنی ہیں۔انھوں نے جکری (ذکری) کو آگے بڑھا کر نقط ؟ عروج تک پہنچایا۔شاہ علی جیو گام دھنی بھی باجن اور محمود دریائی

کی طرح صوفیانہ روایت کے امین ہیں۔ چونکہ گجری ادب اس دور میں ہندوی روایات کے زیر اثر تھا لہٰذا شاہ علی جیو گام دھنی کے کلام میں بھی اس کا اثر پایا جاتا ہے۔ ان کے کلام پر ہندی روایات کا غلبہ ہے ان کے کلام پر متعدد مقامات پر ہندی الفاظ کا استعمال ملتا ہے۔ انھوں نے زبان کا وہی اسلوب اختیار کیا جو لوگوں میں مقبول تھا۔ ان کے کلام میں سُر، سنگیت کے تال میل اور ہندی زبان کا استعمال قارئین کو اپنا گرویدہ بنالیتا ہے۔ ان کی شاعری پر ہندو روایات واسطوا ور رمزیات کا گہرا اثر ہے۔ ان کا کلام خالص ہندی مزاج کا حامل ہے۔ ان کے کلام کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اردو شاعری میں ہندی روایت کا نقطۂ عروج ہے۔ دھنی کی شاعری کی روح اسلامی ہے اور بعض اوقات اس شاعری میں عربی الفاظ اور فارسی معرعے نظر آتے ہیں۔ ان کی شاعری میں گہرے صوفیانہ خیالات اور منفرد روحانی تجربات کو سنجیدگی سے بیان کرنے کی کوشش کا احساس بھی ہوتا ہے ڈاکٹر تبسم کاشمیری لکھتے ہیں:

> ''زبان واسالیب پر ہندوی روایت کا شیوہ یہ دستور قائم ہے کہیں کہیں عربی فارسی الفاظ یا صوفیانہ اصطلاحیں ملتی ہیں..... بعض اشعار ایسے بھی ملتے ہیں جو خالصتاً ہندوی شعری اسلوب کیہیں مگر ان میں صوفیانہ مقامات کی اصطلاحیں آ گئی ہیں۔
>
> احد واحد کی گھونگھٹ مانھاں کرے تجلی ذات سونانھاں
> وہی لاہوت ہو جہروت آوے ملکوت ناسوت کے بھاؤلیاوے
> ولی سوانسان کامل تھاوے پانچ جنہ حضرت آت دکھاوے 23

شاہ علی جیو گام دھنی ایک مشکل پسند شاعر ہیں اور ہر بات کو اشاروں کنایوں میں بیان کرتے ہیں جس کی وجہ سے بعض اوقات کلام میں ابہام بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ ان کا سارا کلام وارداتِ قلبی، عشقِ الٰہی، عرفانِ ذات کے مسائل اور صوفیانہ تجربات پر مشتمل ہے۔

اگر چہ انھوں نے اپنے دیوان ''جواہر اسرار اللہ'' میں دھنی نے تصوف کے مسائل کو بھی تمثیل کے انداز میں اور کبھی مختلف قصے کہانی کے ذریعے بیان کیا ہے۔ اگر چہ دھنی کے کلام میں سوز وساز کی کیفیت ہے اور یہ کیفیت ہی جکری کی خصوصیت ہے۔ چوں کہ جکری کا تعلق ہی گانے بجانے، ساز اور گیت سے ہے لہٰذا ان کا کلام بھی اس صنف کو تازگی بخشتا ہے۔ زبان کی ہندی روایت، سنگیت کا روپ اور سوز وساز کا آہنگ جو جکری کا خاص وصف ہے ان کے کلام میں بجا طور پر نظر آتا ہے اگر چہ ان کی زبان مشکل دِکھائی دیتی ہے مگر الفاظ کا ترنم دل کو متاثر کرتا ہے۔

خوب محمد چشتی نے اپنی شاعری کی ابتدا میں فارسی زبان وادب سے استفادہ کیا انھوں نے اپنے دور کی اصناف جکری: دوہڑہ اور عقدہ کی اصناف کو چھوڑ کر مثنوی کو باقاعدہ اظہار کا ذریعہ بنایا اور فارسی بحور استعمال کیں۔ ان کے کلام کے متعلق ''تاریخِ ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستان وہند'' میں درج ہے کہ:

''عشق کی وہ گرمی جو شاہ علی جیو گام دھنی کے کلام ''جواہر اسرار اللہ'' میں نظر آتی ہے یا سوز و ساز کا وہ رنگ ترنگ جو شاہ باجن کے ''خزائن رحمت اللہ'' میں دِکھائی دیتا ہے یا محبت کا وہ رس، وہ جوش و لولہ جو قاضی محمود دریائی کے دیوان میں ملتا ہے، شیخ خوب محمد چشتی کے ہاں پھیکا اور ہلکا پڑ جاتا ہے''۔24

شیخ خوب محمد چشتی کے کلام میں صوفیانہ رنگ بھی دِکھائی دیتا ہے لیکن اس میں عشق کی آگ یا سوز کی وہ کیفیت نظر نہیں آتی جو دیگر ہم عمر شعرا کے کلام میں پائی جاتی ہے۔

ان کی دو تصانیف ''خوب ترنگ'' اور ''چھند چھنداں'' بہت مشہور ہیں۔ ان کا اندازِ تحریر سادہ، سلیس اور رواں ہے۔ یہ اپنی زبان کو عربی، فارسی آمیز گجراتی کہتے ہیں۔ ان کی مثنوی ''خوب ترنگ'' ایک طویل مثنوی ہے جو چھوٹے ہندی وزن میں لکھی گئی ہے۔ اس میں تصوف کے مسائل کا بھی ذکر ہے اکثر اوقات اس میں جدید تشبیہات و حکایات درج کی گئی ہیں۔ یہ تصنیف اس عہد کے اردو ادبیات میں ایک ممتاز پیداوار مانی جاسکتی ہے۔ خوب محمد چشتی، شیخ کمال محمد سیستانی کے مرید ہیں اور یہ درحقیقت ان کے مقامات وارشادات پر مبنی ہے۔

خوب محمد چشتی کے کلام سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوی روایت پر فارسی کا رنگ واثر غالب آنے لگا ہے اب لسانی سطح پر اردو زبان کے ارتقاء کو نئی منزل کے راستے کا پتہ چلا اور خوب محمد چشتی کے ساتھ ساتھ باجن، محمد دریائی اور گام دھنی کی زبان ایک نئے تشکیلی دور میں داخل ہوئی۔ خوب محمد چشتی کی ''خوب ترنگ'' زبان و بیان کے اسی عبوری دور کی عکاسی کرتی ہے۔

شیخ باجن، محمود دریائی اور گام دھنی نے راگ راگنیوں کے مطابق نظمیں (گیت) ترتیب دیے ان کا یہ انداز صوفیانہ شاعری کا مقبول انداز رہا ہے۔ انھوں جو کلام لکھا اس کے بولوں کو راگ راگنیوں کے مطابق ترتیب دیا محمود دریائی اور باجن نے اسے ''عقدہ'' یا ''مکاشفہ'' کا نام دیا ہے۔ ان پر ہندو اسطور کا رنگ گہرا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ گیت موسیقی کی زبان میں لکھے گئے اس میں سری کرشن بھی ہے اور شیو بھی، موضوعات صوفیانہ ہیں اس میں مرشد سے محبت بھی ہے اور معشوق کا مشاہدہ بھی موجود ہے اس میں تمام بنی نوعِ انسانوں کو نیکی و ہمدردی کا درس دیا گیا ہے اور شر سے باز رہنے کی ہدایت کی گئی۔

اردو شاعری کی قدیم صنفِ سخن جکری جو گجری ادب کے اولین دور کی پیداوار ہے۔ یہ گجرات میں صنفِ نظم کی ایک تکنیک تھی اپنے دور کی مقبول صنفِ سخن رہی ہے۔ یہ انمول صنفِ سخن اپنے مخصوص دور میں اس درج؟ کمال تک جا پہنچی کہ اُس وقت کے نامور شعراء کرام نے جکری کو فخریہ انداز میں اظہار خیال کا ذریعہ بنایا۔ اس دور میں تصوف و اخلاق کے موضوعات کو موسیقی کے مختلف راگ راگنیوں کے مطابق شاعری کی زبان میں ترتیب دینے کی روایت تھی جسے عقدہ در رام کلی، عقدہ در پردہ الفت، عقدہ در ٹوری وغیرہ۔ ابراہیم عادل شاہ ثانی جگت گرو کی

کتاب ''نورس'' میں مختلف راگ راگنیوں کے مطابق اشعار ترتیب دیے گئے ہیں۔

اللہ بیتیں جے کوئی ہووے	اللہ اور جگ اُس کا ہوئے	باجن
جاگ پیاری اب کیا سووے	رین کینی تیوں دن کیا کھووے	محمود دریائی
آہیں کھیلے آپ کھلاوے	آہیں آپس پکل آونے	جیو گام دھنی
ہب دو جا موجود پچھان	وے موجود سو ذہنی جان 25	خوب چشتی

مولانا وجیہ الدین کی جکریوں ہی بہت مشہور ہیں ان کی ایک جکری ''بنیا بن بیا جی ایسا سکھ سیں باسوں'' بزم میں گائی جارہی تھی کہ سلطان اولالیاء کو اس جکری پر حال آ گیا۔اس کے متعلق صاحب سیر اولیاء لکھتے ہیں:

''قوال جکری از مولانا وجیہ الدین بھوتے مرق می گفت وغالت ظن من آنست کہ ایں جکری بود حضرت سلطان المشائخ راین ہندوی اثر کرد''۔26

مقالات شیرانی میں درج ہے کہ

''جکری جو دراصل مسلمانوں کی چیز ہے اور خیال اور ٹپے سے زیادہ قدیم ہے، اس میں توحید و نعت اور بزرگانِ دین کی مدح کے مضامین ہوئے تھے''۔27

ہم اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ تغیراتِ زمانہ کسی بھی چیز کو باکمال بنانے اور اسے بگاڑنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔اردو قبول کا یہ عمل فطری ہے۔وقت کے بدلتے ہوئے تقاضوں کا ساتھ دینا انسان کی سرشت میں شامل ہے۔یہی حالات شاعری کی اس قدیم صنفِ سخن جکری کے ساتھ ہیں جس دور اس صنف کی ابتدا ہوئی وہ ہندوی گجری ادب کا دور تھا۔اور ہندوی مزاج گانے بجانے اور راگ راگنی سے بہت مانوس ہے اس کی وجہ وہاں کے عوام کا طرزِ فکر اور مقامی حلات ہیں یہی عوامل کی تشکیل کا موجب بنے۔لہٰذا اس دور کے اہم صوفی شعرا جو گجری ادب کو پروان چڑھانے اور درج؟ کمال تک پہنچانے میں مصروفِ عمل تھے تو ایسے وقت میں گہرے صوفیانہ مضامین کو موسیقی کے آہنگ سے سجا کر پیش کرنے کی ضرورت تھی اور یہ ضرورت ہی جکری کی تخلیق کا باعث بنی۔جکری کا جب بھی ذکر ہو تو ہمارے ذہنوں میں گجری دور اور اس کے شعراء آتے ہیں۔جکری نہ صرف قوالوں کی زبان اور سازوں کے سنگیت میں سمائی بلکہ پورا ماحول اس کے سُر یلے اور جادوئی سحر میں ڈوب گیا۔اس دور میں تصوف و اخلاق کے موضوعات کو عام کرنے کے لیے مقامی رنگ و آہنگ اور زبان و اسلوب کی چاشنی کو بروئے کار لانے اور راگ و گیت سے سجانے کے لیے بھی جکری کی ضرورت تھی۔لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ جکری جسے مختلف مقامات پر (ذکری، گجری) کے ناموں سے بھی لکھا گیا اپنے دور کی بہترین صنفِ سخن رہی ہے پندرھویں اور سولھویں صدی عیسوی کے نامور شعرا نے اسے اظہار کا ذریعہ بنایا اور اس میں نت نئے تجربات بھی کیے لیکن سو برس کے ادبی سناٹے سے گذر کر عہدِ اورنگ زیب میں جب دوبارہ گجرات واپس آتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ یہاں کی دنیا ہی بدل گئی ہے۔اصنافِ سخن اور

زبان و بیان پر فارسی اسلوب و آہنگ پورے طور پر اپنا رنگ جما چکا ہے۔دوہڑہ،جکری، ہندی مزاج، روایت و اسطور گام دھنی کا مخصوص تصوف، شاہ باجن اور محمود دریائی شاعری و موسیقی کا تعلق ٹوٹ چکا ہے۔

حواشی:

۱۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، دکنی و گجراتی ادب، مشمولہ: تاریخِ ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستان و ہند، جلد اوّل، (لاہور: پنجاب یونی ورسٹی، ۲۰۰۹ء)، ص:۱۹۶

۲۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخِ ادبِ اردو، (لاہور: مجلسِ ترقّیِ ادب، ۱۹۸۷ء)، ص:۱۰۹

۳۔ محولہ بالا ۱۰، ص:۱۹۶، ۱۹۷

۴۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، اردو ادب کی تاریخ، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء)، ص:۶۱

۵۔ محولہ بالا ۱۰، ص:۱۹۶

۶۔ حافظ محمود شیرانی، مقالاتِ شیرانی، (لاہور: مجلسِ ترقّیِ ادب لاہور، ۱۹۶۶ء)، ص:۱۶۶

۷۔ ایضاً

۸۔ ایضاً

۹۔ ایضاً

۱۰۔ ایضاً، ص:۱۱۲، ۱۱۳

۱۱۔ ایضاً

۱۲۔ ایضاً، ص:۱۰۹

۱۳۔ ایضاً، ص:۱۱۰

۱۴۔ ایضاً، ص:۱۷۰

۱۵۔ حافظ محمود شیرانی، پنجاب میں اردو، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۱۹۹۸ء)، ص:۱۶۳

۱۶۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخِ ادبِ اردو، محولہ بالا، ص:۱۱۲، ۱۱۳

۱۷۔ ایضاً، ص:۲۶۵

۱۸۔ حافظ محمود شیرانی، ''مقالاتِ شیرانی'' محولہ بالا، ص:۱۶۷

۱۹۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، اردو ادب کی تاریخ، محولہ بالا، ص:۶۱

۲۰۔ ایضاً

۲۱۔ ایضاً

۲۲۔ حافظ محمود شیرانی، مقالاتِ شیرانی، محولہ بالا ۰۶، ص:۳۰۳

۲۳۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، اردو ادب کی تاریخ، محولہ بالا، ص:۶۲، ۶۳
۲۴۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، دکنی و گجراتی ادب، مشمولہ: تاریخِ ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستان و ہند، محولہ بالا، ص:۱۹۹
۲۵۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ، ادبِ اردو، محولہ بالا، ص:۱۳۱
۲۶۔ حافظ محمود شیرانی، مقالاتِ شیرانی، محولہ بالا ۶۰، ص:۲۹۳
۲۷۔ ایضاً، ص:۱۵۷